R. NO. 2186/57
REGD. N. L. 922

انجمن ترقی اردو (ہند) کا ہفتہ وار اخبار

ہماری زبان

فون نمبر [illegible]
سالانہ قیمت ۵ روپے
فی کاپی ۱۰ پیسے

تاریخ ہائے اشاعت
۱ - ۸ - ۱۵ - ۲۲

جلد ۲۷ - شمارہ ۴۹ | ایڈیٹر: آل احمد سرور | ۸ دسمبر ۱۹۶۸ء

اداریہ

غالب اکیڈمی

حکیم عبد الحمید صاحب کو اگر آدمی کے بجائے جن کہا جائے تو زیادہ مناسب ہوگا۔ عام لوگ باتیں زیادہ کرتے ہیں، کام کم، یہ کام زیادہ کرتے ہیں اور باتیں بالکل نہیں کرتے۔ انھوں نے طب یونانی کے فروغ کے لئے عموماً اور علمی و تہذیبی کاموں کے لئے خصوصاً جو کچھ کیا ہے وہ سب پر روشن ہے۔ حکیم صاحب نہ حالات کا ماتم کرتے ہیں، نہ مشکلات سے بددل ہوتے ہیں۔ وہ برابر اپنے کاموں میں لگے رہتے ہیں۔ ان کے عزم و ہمت اور خلوص و خدمت کا تازہ ترین نمونہ غالب اکیڈمی ہے، جو حال ہی میں وجود میں آئی ہے۔ حکیم صاحب نے کئی سال پہلے غالب کے مزار کے قریب زمین کے دو قطعے خریدے تھے۔ آج ان قطعوں کی قیمت ایک لاکھ سے کم نہ ہوگی ان میں سے ایک قطعہ پر غالب اکیڈمی کی عمارت کا افتتاح ۱۷ فروری ۱۹۶۹ء کو ہونے والا ہے۔ اس کی تعمیر پر دو لاکھ روپے خرچ ہوں گے۔ اس میں تین منزلیں اور ایک تہ خانہ ہوگا جس میں غالب لائبریری غالب میوزیم اور ایک ہال ہوگا۔ غالب اکیڈمی کو چلانے کے لئے اڑتیس ہزار سالانہ کے خرچ کا اندازہ کیا گیا ہے جس میں سے چوبیس ہزار سالانہ اکیڈمی کے برابر ایک دوسری عمارت کے کرائے سے ملنے کی توقع ہے اور باقی چودہ ہزار اکیڈمی کی مطبوعات سے۔ دونوں عمارتوں کی تعمیر اور ساز و سامان پر پانچ لاکھ اسّی ہزار کے خرچ کا اندازہ ہے۔ غالب اکیڈمی فروری میں تین کتابیں شایع کرے گی۔ ان میں ایک غالب بیوگرافی ہوگی جو انگریزی میں ہوگی۔ دوسری ڈاکٹر یوسف حسین خاں کی کتاب، غالب اور آہنگ غالب، اردو میں اور تیسری غالب کی منتخب غزلیں ہندی میں۔ اس کے علاوہ غالب پر کچھ مشہور مصوروں کی تصویریں غالباً کسی البم کی صورت میں شایع کی جائیں گی۔ اکیڈمی انگریزی میں ایک سہ ماہی رسالہ بھی شایع کرنے کا ارادہ رکھتی ہے جس میں غالب، ان کی تصانیف اور ان کے عہد کے متعلق مضامین شایع ہوا کریں گے۔ اکیڈمی کی لائبریری میں غالب اور ان کے عہد پر تمام کتابیں جمع کرنے کی کوشش کی جائے گی اور ان تمام مخطوطوں کے مائکروفلم حاصل کئے جائیں گے جو مشرق و مغرب میں بکھرے ہوئے ہیں۔ غالب میوزیم میں غالب کی ذاتی استعمال کی چیزیں اور ان کے عہد کے تمام آثار جمع کئے جائیں گے اور اس کے ساتھ اس زمانے کی معاشرت کے نمونے۔ وصلیاں، ٹکٹ، اخبار و رسائل، فرنیچر، تصاویر، ملبوسات اور دوسری چیزیں یکجا کی جائیں گی۔ ہال میں اکیڈمی کے جلسے ہوا کریں گے اکیڈمی کا بروشر دلکش، نہایت دیدہ زیب ہے اور اس کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ غالب اکیڈمی کے سامنے کام کا ایک شاندار منصوبہ ہے اور اس کو عملی جامہ پہنانے کے لئے وہ ضروری اقدامات کرسکتی ہے۔ اکیڈمی کے سرپرست وہ ہوں گے جو پانچ ہزار روپیہ دیں گے، لائف ممبروں کے لئے پانچ سو روپیہ کا عطیہ مقرر کیا گیا ہے۔ شریک ممبروں کے لئے سو روپیہ سالانہ اور عام ممبروں کے لئے بیس روپیہ سالانہ۔ اس کے علاوہ اعزازی ممبر صدر یا مجلس عاملہ بنا سکتی ہے۔ وہ ادارے جو اکیڈمی کے مقاصد سے اتفاق رکھتے ہیں ممبر شمار کئے جاسکتے ہیں۔ اس سلسلے میں غالب اکیڈمی ہمدرد نگر دہلی سے رجوع کیا جاسکتا ہے۔

ہمیں یقین ہے کہ اردو کے ہمدرد اور علم و ادب کے سرپرست غالب اکیڈمی کے قیام کا پرجوش خیر مقدم کریں گے اور دامے، درمے، سخنے، قدمے اس کی مدد کریں گے۔ اس اکیڈمی کی اٹھان ایسی ہے کہ اس سے ہم بجا طور پر بہت سی توقعات وابستہ کرسکتے ہیں۔

غالب کی فارسی تحریروں کی ایران میں اشاعت

نئی دہلی:۔ معلوم ہوا ہے کہ غالب صدی کی اشاعتی سرگرمیوں میں حکومت ایران بھی حصہ لے رہی ہے۔ ایرانی حکومت نے مرزا غالب کی فارسی نثر اور نظم کی ایک کلیات شائع کرنے کا فیصلہ کیا ہے غالب صدی جشن کی مرکزی کمیٹی کے سکریٹری فخرالدین علی احمد کے نام شاہ ایران محمد رضا پہلوی نے ایک تحریر میں بتایا ہے کہ فروری میں جب جشن غالب کا خاص جلسہ ہوگا تو اس میں ایران سے ایک خاص نمائندہ شریک ہونے کے لئے دہلی بھیجا جائے گا۔ (قومی آواز)

غالب صدی کی تقریبات کے لیے حکومت پنجاب نے دس ہزار روپیہ دیا

چنڈی گڑھ:۔ حکومت پنجاب نے غالب کی صد سالہ برسی منانے کے لئے غالب صدی متعلق کل ہند کمیٹی کو دس ہزار روپیہ دینے کا فیصلہ کیا ہے۔ (سیاست)

ہندوستانی ضرب الامثال کی لغت

لکھنؤ:۔ عنقریب نیشنل بک ٹرسٹ ہندوستانی ضرب الامثال کی ایک لغت تیار کرے گا۔ اس کا عنوان "ہندوستانی کہاوت کوش" ہوگا۔ اس لغت کو مشہور ہندی ادیب جناب کرشنا نند گپتا مرتب کریں گے۔ ہندوستانی ضرب الامثال کے بارے میں پہلی کتاب تقریباً دو سو سال قبل ماہر لسانیات جناب ایس ڈبلیو فیلن نے تیار کی تھی۔ مگر ایک طویل مدت سے یہ کتاب نہیں چھپی۔ اور ناپید ہو چکی ہے۔ (قومی آواز)

فارسی شاعری کا منتخب مجموعہ ازبکستان اکیڈمی مرتب کر رہی ہے

تاشقند:۔ ازبکستان کی سائنس اکیڈمی سترھویں صدی کی فارسی شاعری کا ایک منتخب مجموعہ مرتب کر رہی ہے۔ اس کتاب میں دو سو شعراء کا کلام ہوگا جن میں ناظم ہروی، صائب تبریزی، غنی کشمیری، سلیم، شفائی اور حکیم شامل ہیں۔ متن فارسی میں ہوگا۔ اور تشریحات روسی میں۔ سترھویں صدی کا مشرقی ادب ہندوستانی فکر سے بہت زیادہ متاثر تھا۔ ازبک ادب کے بانی علی شیر نوائی (۱۴۴۱ – ۱۵۰۱) کا فلسفۂ وجودیت اس فکر کا سرچشمہ ہے۔ اس عظیم شاعر اور انسان دوست کے افکار وسطی ایشیا، ہندوستان، ایران، افغانستان، اور دوسرے مشرقی ملکوں میں بہت دور دور تک پھیل گئے تھے اور انھوں نے سترھویں صدی کے شعراء کو بہت زیادہ متاثر کیا تھا۔ (قومی آواز)

دہلی میں غالب اردو اپرا کی تیاریاں

دہلی:۔ جن ناٹیہ رنگ منچ دہلی کی جانب سے مرزا غالب کی زندگی، شاعری اور ان کے تاریخی دور پر ایک اسٹیج اوپرا مرتب کیا جا رہا ہے اس اہم ترین تہذیبی فریضہ کی تکمیل میں مشہور شاعر اور ڈرامہ نگار نیاز حیدر شب و روز مصروف ہیں اس قسم کے تخلیقی اسٹیج اوپرا کے لئے نیاز حیدر سارے ملک میں مشہور ہیں اس میں دہلی کے ماہر اور نامور اداکار حصہ لے رہے ہیں جو فروری کے اواخر میں پیش کیا جائے گا۔ جناب میر مشتاق احمد کی نگرانی اور رہنمائی میں بڑی خوش اسلوبی سے تکمیل کے مراحل طے کئے جا رہے ہیں، قدیم شہر دہلی کے تمام ادب نواز حلقے اس بے نظیر اقدام میں گہری دلچسپی لے رہے ہیں۔ (الجمعیۃ)

غالب صدی کے موقع پر مضمون نگاری کا مقابلہ

لکھنؤ:۔ غالب کی شاعری اور مکتوبات میں عورت کا تصور یہ ہے ان موضوعات میں سے ایک جو کالج طلبہ کے کل ہند مضمون نویسی کے مقابلے کے لئے مقرر ہوئے ہیں مقابلے کے دیگر موضوعات میں غالب کے ذریعہ قومی یکجہتی، ہندوستانی ادب پر غالب کی شاعری کے اثرات، غالب اپنے معاصروں کی نظر میں اور غالب اردو کے بجائے فارسی شاعری میں عظیم ہیں شامل ہیں مقابلوں کا اہتمام یو۔پی میں غالب کی جشن صد سالہ کمیٹی نے کیا ہے لکھنؤ یا بنارس کے ایک جلسے میں سب سے اچھے مضامین پر لڑکوں کو تین اور لڑکیوں کو تین انعامات دئے جائیں گے۔ لڑکوں اور لڑکیوں کو سب سے عمدہ مضمون پر ایک ایک گولڈ میڈل دیا جائے گا غالب کا جشن صد سالہ فروری میں ہندوستان بھر میں اور بیرونی ممالک میں منایا جا رہا ہے۔ (الجمعیۃ)

ڈاکٹر محمد نظام الدین کی وفات

حیدرآباد ۲۹ نومبر کو یہاں نامور صاحب علم و قلم ڈاکٹر محمد نظام الدین کی ۷۰ سال کی عمر میں وفات ہوگئی انھوں نے ایک وقت تک صدر شعبۂ فارسی کی حیثیت سے عثمانیہ یونیورسٹی میں تدریسی فرائض انجام دیئے تھے اور وفات کے وقت تک تحقیقی ادارہ دائرۃ المعارف حیدرآباد کے ڈائرکٹر رہے علمی خدمات کے صلہ میں حکومت ہند نے انھیں اعزاز سے بھی سرفراز کیا تھا۔ (سیاست)

باقی صفحہ ۱۲ سے آگے

تناسب اور رشتے کا سامنا کر رہا ہے اور اس سے پیدا ہونے والے تاثرات میں غرق ہے۔

غزل کے اس نئے جلال و جمال کے سامنے جب کوئی اصلاحی یا تعمیری موضوعات کے نہ ہونے کی شکایت کرتا ہے تو اس کی ہوشمندی اور بیدار مغزی کا تو ثبوت مل جاتا ہے البتہ یہ احساس ضرور ہوتا ہے کہ شکایت کرنے والا ادیبوں کے قبیلے کا آدمی نہیں بلکہ دنیا داروں یا تاجروں کے گروہ سے تعلق رکھتا ہے جو مفید اور کار آمد باتوں کے حصار میں رہ کر اپنی زندگی کو سنوارنے اور اپنے دل و دماغ کو جتنی بھی قلیل مدت کے لئے ہو سکے ہر قیمت پر رکھنے پر مصر ہے اور اس سے ذرا کسی ربط و تعلق پر آمادہ نہیں۔

عبدالقوی دسنوی

حمد باری

غالب کے ایک شاگرد عبدالسمیع رامپوری بیدل کی تصنیف

مولوی عبدالسمیع رامپوری بیدل کے بارے میں جناب مالک رام "تلامذۂ غالب" میں تحریر کرتے ہیں:۔

"فارسی اور عربی کی علمی استعداد بہت اچھی تھی ۱۲۷۰ھ (۵۴-۱۸۵۳ء) میں کسب علم کے لئے دہلی آئے اور مفتی صدرالدین خاں سے عربی پڑھی انھی ایام میں شعر گوئی کا شوق ہوا تو میرزا غالب کی خدمت میں حاضر ہوئے اوائل میں طبیعت غزل کی طرف زیادہ مائل رہی بعد میں رسمی شاعری کو چھوڑ کر اپنی تمام توجہ مذہبی علوم و مسائل پر محدود کردی۔ ایک مختصر دیوان اور ایک مختصر رسالۂ نور ایمان کے نام سے موجود ہے" (ص۳۰۰)

ان تصانیف کے علاوہ ایک تیسری تصنیف "حمد باری" بھی ہے جو خالق باری، قادر نامہ غالب، قادر نامہ زرتشی، جہاں نامہ وغیرہ کی طرز پر لکھی گئی ہے بمجاس ۲۲ صفحات پر مشتمل ہے سرورق ملاحظہ کیجئے:

دریں زمان فیض عنوان داد ان فرخی توامان نسخۂ معتبر کہ لاجواب در علم لغات در کمی حجم و بسیاری فواید ماثل دول مسمی بہ،

حمد باری

از تصنیف جناب مولوی محمد عبدالسمیع صاحب متوطن

قصبہ رامپور ضلع سہارنپور در مطبع رنگین واقع میرٹھ

لباس حسن انطباع پوشید

دوسرے صفحہ پر التماس مؤلف ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ یہ کتاب شیخ الٰہی بخش کے چھوٹے بھائی حافظ عبدالکریم کے فرزند وحید الدین نے جب فارسی زبان کی تعلیم شروع کی اور خالق باری پڑھنے لگے تو بعض الفاظ پنجابی اور سنسکرت کے اس کی سمجھ میں نہ آتے تھے دوسرے مدرسوں کے طالب علموں کا بھی یہی حال تھا چنانچہ انھوں نے یہ منظوم رسالہ تحریر کیا۔ اس کی تالیف کے سلسلے میں برہان قاطع، غیاث اللغات نفائس اللغات پیش نظر رہے۔ مخزن دیگر الجواہر و سراج اللغات و کشف اللغات سے بھی تحقیق کر کے بعض الفاظ لکھے گئے ہیں۔ کتاب حمد سے شروع ہوتی ہے۔ پوری کتاب اٹھارہ فصل میں منقسم ہے یہاں ہر فصل کے ساتھ پہلا شعر درج ہے۔

فصل دربیان آسمان و متعلقات آن

آسماں ہے چرخ گردوں اور فلک
تارا اختر ہے فرشتہ ہے ملک

فصل دربیان سال و ماہ وغیرہ

جان غرہ چاند رات اے باصفا
سلخ پچھلا روز ہے ہر ماہ کا

فصل دربیان زمین و آنچہ در آنست از معادن و بحار و اماکن۔

ہے زمیں ارض اور پتھر ہے حجر
ہے کلوخ اے یار ڈھیلا اور مدر

فصل دربیان اثاث البیت یعنی اسباب ضروری خانہ۔

پونجی سرمایہ ہے اور اسباب رخت
بوریا جانو حصیر اور تنگ تخت

فصل دربیان اعضای انسان

روح جی ہے جسم تن کا نام ہے
ہے زباں جیبھ اور تالو کام ہے

فصل دربیان آنچہ از جسم انسان تعلق دارد

تھوک کو کہئے بزاق اور ریق رال
ہے ڈکار آروغ نے مونہہ کا اچھال

فصل دربیان اہل قرابت۔

ہے رجل مرد اور زن عورت کو جان
پیر بڈھا اور برنا ہے جوان

فصل دربیان اہل پیشہ

شاہ سلطان اس کا پیشبان وزیر
ہے سپاہی لشکری منشی دبیر

فصل دربیان اہل عیوب

جان للی
ترجمہ: ابراہیم ناقدست

نابینا دیوتا

کیوپڈ اور کم پاسپی نے تاش پر
بوسوں کی شرط لگائی؛ کیوپڈ کو دینے پڑے،
اس نے اپنے تیر کمان، اور تیر دان
اپنی ماں کے راج ہنس کبوتر، فاختہ
بھی داؤ پر لگادئے اور ہار گیا پھر اس نے
اپنے لبوں کی سرخی، اپنے رخساروں کی رعنائی
اپنے ابرو کی زیبائی، اور اپنا چاہ زنخ بھی
ایک ایک کرکے بازی پر لگا دئے
ہر بار جیت کم پاسپی کی ہی ہوئی
آخر اس نے اپنی آنکھوں کا داؤ لگایا
مات کھائی اور اپنی آنکھیں گنوا کر بساط سے اٹھ آیا

اے کیوپڈ، عشق کے ناقابل تسخیر دیوتا!
اس نے تیری یہ گت بنادی
میں کس باغ کی مولی ہوں، میرا حشر معلوم!

---

۱ یہ کتاب مولانا محمود صدیقی صاحب کے ذاتی کتب خانہ سے ملی ہے۔

نمک و مرچ لنگر ور بھات ہے شل کورد اخنی اندھا اور گنجا ہے کل
فصل در بیان حبوب و اشیاء خوردنی۔
خطہ اور گندم ہے گیہوں الحزنیر ہے چنا حمص نخود اسے باتمیز
فصل دربیان مصالح طعام
ہیں جو چیزیں بہر اصلاح طعام ہے مصالح اور توابل ان کا نام
فصل دربیان کشت و باغ وانچہ دراں ہست
مزرعہ اور کشت کھیتی اسے عزیز روضہ اور بستان ہے باغ اسے باتمیز
فصل دربیان آلات جنگ و آلات اہل حرفہ
ترمح نیزہ بھال کو جانو ستان سہم تیر قوس کو جانو کمان
فصل دربیان جانوراں
دام جنگل کا چرندہ جان تو پھر سبع اور وہ درندہ مان تو
فصل دربیان انچہ از اجسام حیوانات تعلق دارد
پونا جا نو چوچ ہے منقار نول ذقن جو نکا بیسٹا کو چتال بول
فصل دربیان بعض آلات بازی طفلاں
بازی وہو ولعب ہے کھیلنا اخلاقہ وکیا ری بو وجیتنا
فصل دربیان متفرقات
حجرہ ہے اور قلمدان ایک چیز مدرسہ مکتب دبستان ایک چیز
تتمہ دربیان افعال وکیفیت اشتقاق
وقت جو موجود ہے وہ حال ہے گزرا ماضی آتا استقبال ہے
"خاتمۃ الطبع" کی تحت مندرجہ ذیل عبارت ہے۔
"بعد حمد رب العالمین ونعت سید المرسلین کردریں
ایام فرخی التیام کتاب لاجواب درعلم لغت دری مجم
دلبیاری فوائد مسمی بہ حمد باری از تصنیفات صدر آرای
شریع متین رونق افزای حق ویقین یکہ تاز میدان
علم وعمل مقبول بارگاہ عز وجل علامہ علوم جمیع مروی
محمد عبد السمیع صاحب متوطن قصبہ رامپور ضلع سہارنپور
کسی گوی تلمیذ جناب نواب اسداللہ خان غالب
حاصل فرمودند ودیگر فنون از علمای دہلی تحصیل
اوردند لاشزال سحاب فیض مدرار او دیگر رتما دہ
زخارًا در مطبع رنگیں مبرظہ رونق نگار پذیرفت
کسی با اجازت قصد طبع نفرمایند ورنہ بجائے نفع
نقصان حاصل خواہند کرد۔"

(باقی : مقالے) گرچہ جناب لالوا اور غفار روز تحقیقی مقالے لکھ چکے ہیں
۱۸۔ غالب کے ایک شاگرد۔ مرداں علی بیمار کی دو غزلیں تضمین ہمراہ
یکم فروری ۶۳ء
۱۹۔ ادبی مجلس نئی دہلی (مراسلہ از چندن)۔ جگن ناتھ آزاد نے
یہ انکشاف کیا کہ اردو ادب کے مشہور محقق جناب مالک رام جو آجکل
... میں غالب کے فارسی کلام کا مجموعہ مرتب کر رہے ہیں۔ ۱۵ر فروری ۶۳ء
(باقی آئندہ)

حافظ عاشق ہرگانوی

اخبار و رسائل میں غالب

میری ذاتی لائبریری میں جتنے بھی اخبار و رسائل ہیں ان میں سے غالب سے متعلق خبریں، مراسلے، مضامین اور اداریوں کا اشاریہ یہاں دیا جا رہا ہے۔ (قسم خبر)

از "ہماری زبان" علی گڑھ

(ہماری زبان کے جنوری ۱۹۶۷ء سے لے کر جولائی ۱۹۶۸ء تک کے شمارے کا اشاریہ اسلام الدین قریشی صاحب نے پیش کر دیا ہے اس لئے اس کا ذکر نہیں کیا گیا ہے)

۱۔ ۱۹۶۹ء کے جشن غالب کے لئے ایک تجویز۔ اداریہ۔ یکم جون ۶۲ء
۲۔ مرزا غالب کے ثقل سماعت کی تاریخ۔ سید مسعود حسن رضوی ادیب۔ یکم جولائی ۶۲ء
۳۔ بزم غالب (میسور)۔ تپش میسوری۔ ۲۲ر جولائی ۶۲ء
۴۔ غالب کے ثقل سماعت کی تاریخ۔ امتیاز علی عرشی۔ ۲۲ر جولائی ۶۲ء
۵۔ غالب سنٹر میں۔ اداریہ۔ یکم اگست ۶۲ء
۶۔ غالب۔ فکر و فن (کتابی لیس) مصنف شوکت سبزواری۔ ۸ر اگست ۶۲ء
۷۔ مرداں علی خاں رعنا (تلمیذ غالب)۔ نادم سیتاپوری ۲۲ر اکتوبر ۶۲ء
۸۔ غالب کی نادر تحریریں (تبصرہ از خلیل الرحمن اعظمی)، مرتب خلیق انجم۔ ۲۲ر اکتوبر ۶۲ء
۹۔ دہلی میں انجمن ترقی اردو (ہند) کی مجوزہ عمارت کا نام (مراسلہ از ڈاکٹر جعفر حسن)۔ غالب محل یا غالب بھون۔ یکم نومبر ۶۲ء
۱۰۔ شہرت شعرم بگیتی بعد من خواہد شدن (مراسلہ از اقبال کرشن)۔ یکم نومبر ۶۲ء
۱۱۔ مرداں علی خاں نظام تلمیذ غالب۔ (مراسلہ از مالک رام) ۸ر نومبر ۶۲ء
۱۲۔ مرداں علی خاں نظام تلمیذ غالب۔ (مراسلہ از نادم سیتاپوری) ۸ر نومبر ۶۲ء
۱۳۔ یہ چند ہم عصر۔ عابد رضا بیدار۔ ۱۵ر نومبر ۶۲ء
۱۴۔ تماشائے اہل ہنر (تبصرہ از خلیل الرحمن اعظمی)، مصنف سید رشید الحسن۔ ۱۵ر نومبر ۶۲ء
۱۵۔ اردو محل (مراسلہ از ناظم سیوانی سہسرامی) انجمن ترقی اردو ہند کی مجوزہ عمارت کا نام "غالب محل" یا "غالب بھون" ۸ر دسمبر ۶۲ء
۱۶۔ غالب سنٹر کے لئے ادبی کام۔ اداریہ۔ ۱۵ر دسمبر ۶۲ء
۱۷۔ میں اردو ادب کا مطالعہ کر رہا ہوں۔ رضا تیموا۔ غالب کی شاعری اور ان کے خطوط کے بارے میں تاجکستان کے دوست
باقی کالم ۲ پر

امام مرتضیٰ نقوی

اردو کی کتابوں میں اشاریہ کی ضرورت

اشاریہ جس کو انگریزی میں انڈکسنگ کہتے ہیں ایک ایسا طریقہ کار ہے جو کتاب کے آخر میں دیا جاتا ہے۔ اور وہ کتاب کے اندر ان افراد، مقاموں اور شہروں کی نشاندہی کرتا ہے۔ جو کتاب کے اندر دیئے گئے ہیں جن جن صفحات میں ان کا ذکر کیا گیا ہے ان صفحات کے نمبر کا حوالہ دیا جاتا ہے۔ اس کی ترتیب حروف تہجی کے مطابق ہوتی ہے تاکہ پڑھنے والے کو زیادہ دشواری کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ اور وہ فوراً اپنے مقصد کو پہونچ جائے۔

علم و ادب کی ترویج و ترقی کے اس دور میں جبکہ ہر شخص کم سے کم وقت میں زیادہ سے زیادہ معلومات حاصل کرنا چاہتا ہے یہ چیز شدت سے محسوس کی گئی کہ کوئی ایسا طریقہ ہو جو ایک محقق کے لئے قلیل وقت میں اس کی ضرورت کو پورا کرے گا۔

اس ضرورت نے انڈکسنگ یا اشاریہ کو جنم دیا، موجودہ دور میں ہزاروں اور لاکھوں انسان تحقیق کے کام میں مصروف ہیں اور ہر شخص کا میدان علیحدہ ہے اسی تعداد میں کتابیں بھی شائع ہو رہی ہیں۔ ہر کتاب اپنا ایک موضوع رکھتی ہے۔ اور اسی موضوع سے متعلق اس میں بحث ملتی ہے۔ مگر اس کے ساتھ ساتھ کچھ ایسے حوالے بھی اس میں آتے ہیں جن کا ذکر کرنا مصنف کے لئے ناگزیر ہے۔ اور وہ حوالے بعض اوقات اس محقق کے لئے نہایت مفید ثابت ہو سکتے ہیں جس کا اس کتاب کے اصل موضوع سے کوئی تعلق نہیں، ایک محقق کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ کتب خانوں میں جاکر ان کتابوں کو تلاش کرے جو ذرا بھی اس کے موضوع سے متعلق ہیں یا ہو سکتی ہیں، مگر بغیر اشاریہ کے یہ چیز ناممکن ہے۔ کیونکہ محقق کو یہ پتہ نہیں چل سکتا کہ اس سے متعلق معلومات کس جگہ مل سکتی ہیں۔ یا تو وہ پوری کتاب پڑھے یا پھر اسے چھوڑ دے جو اس کے لئے ایک نقصان عظیم ہو سکتا ہے۔ بہت سی اہم باتیں ان ہی چھوٹے چھوٹے حوالوں میں مل جاتی ہیں جن کو لوگ نظر انداز کر دیتے ہیں۔

مثال کے طور پر اگر کوئی شخص ابو الکلام آزاد پر ریسرچ کر رہا ہے اور اس کا موضوع محض سیاسی پہلو ہے تو اس کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ تمام کتابیں دیکھے جو اس دور کی تاریخ کی نمائندگی کرتی ہیں، بغیر اس کے اپنے مقصد میں پوری طرح کامیابی نہیں ہو سکتی۔

اس لحاظ سے اگر دیکھا جائے تو اس دور کی تاریخ پر سیکڑوں کتابیں لکھی گئی ہیں اور ان سب کا پڑھنا اس کے لئے اگر ناممکن نہیں تو محال ضرور ہے۔ اگر وہ ہر کتاب کے اشاریہ میں ابو الکلام آزاد دیکھے تو اسے کم وقت میں بہت کچھ مل جائے گا۔

انگریزی کی کتابوں میں عام طور پر ہم کو اشاریہ ملتا ہے تاکہ پڑھنے والے کو زیادہ پریشانی کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ مگر برخلاف اس کے اردو کی کتابوں میں یہ کمی شدت سے محسوس کی جاتی ہے۔ اردو ادب اپنی نشر و اشاعت کے معاملے میں بہت پیچھے ہے۔ صرف کتاب کا چھپ جانا ہی کافی نہیں اس کے ساتھ اور بہت سی لوازمات ایسی ہوتی ہیں جن کی طرف توجہ نہ مصنف دیتے ہیں اور نہ ناشر پرانی کتابوں میں تو اس قسم کے عیب ہم کو عام طور پر ملتے ہیں اب بھی جبکہ نشر و اشاعت کا کام بڑی تیزی سے بڑھ رہا ہے بہت سی ایسی چیزیں ہیں جو کتاب میں نہیں دی جاتیں۔ مثلاً سن اشاعت یا قیمت وغیرہ اردو میں بہت کم کتابیں ایسی ہیں جن میں اشاریہ کی ضرورت کو پورا کیا گیا ہے۔ اور یہ بہت بڑا نقص ہے۔ دنیا کی دوسری زبانوں کی طرح اردو کا دامن بھی وسیع سے وسیع تر ہو رہا ہے۔ ہر فن اور موضوع پر کتابیں لکھی جا رہی ہیں۔ ایک تاریخ کے محقق کے لئے یہ ضروری نہیں کہ وہ انگریزی کی ہی کتابوں میں اپنے لئے مواد تلاش کرے بلکہ اردو میں بھی اس کو بہت کچھ مل سکتا ہے۔ مگر ہمیں اردو کی کتابوں

سید جابر علی جابرؔ

غزل

ذوقِ ارتقا جابرؔ آپ اپنا مٹتا ہے
گرمیٔ تمنا ہی حاصلِ تمنا ہے

لاکھ انقلاب آئیں یا خیال و خواب آئیں
موج پر حباب آئیں وہ نظر میں بستا ہے

ایک خوابِ ہستی کی گو ہوں لاکھ تعبیریں
منتشر ہوں تصویریں دل مگر سمجھتا ہے

ایک آرزو دل میں ایک جستجو دل میں
شوق میرا سایہ ہے ساتھ ساتھ چلتا ہے

ابر و آسماں جیسے میرے دل کی باتیں ہیں
میرے شوق کا عالم میرے غم کا نقشہ ہے

موجِ زندگی قائم موجِ زندگی دائم
عافیت کے ساحل پر اور ایک رستا ہے

کو اسی معیار پر لانا ہوگا جو ایک اسکالر کی توجہ اپنی طرف مبذول کرا سکیں۔ یہ ہر مصنف کا فرض ہے کہ جہاں وہ اپنی کتاب کی تصنیف میں اتنی محنت کرے وہاں آخر میں ایک اشاریہ بھی تیار کرے جس سے اس کی کتاب کی اہمیت میں بھی اضافہ ہوگا اور اس کی افادیت بھی بڑھے گی۔ اگرچہ یہ بہت معمولی بات ہے اور لوگ اس کی طرف توجہ نہیں کرتے ہیں۔ ہمارے ادیبوں میں سہل پسندی کا رجحان اتنا عام ہو گیا ہے کہ وہ کتاب کا مسودہ تیار کرکے اپنے فرض سے سبکدوش ہو جاتے ہیں اور ان چیزوں پر محنت کرنا گوارہ نہیں کرتے۔ اچھی کتاب وہی سمجھی جاتی ہے جس میں ان تمام باتوں کا التزام کیا گیا ہو۔ ادب ہو یا تاریخ۔ فلسفہ ہو یا مذہب۔ اشاریہ ہر کتاب کے لئے ضروری ہے۔ بغیر اس کے کتاب کی تکمیل نہیں ہوتی۔ بعض لوگ اپنی کتاب کے آخر میں کتابیات دیتے ہیں۔ کتابیات اگرچہ بہت اچھی چیز ہے مگر اس کے ساتھ ہی اشاریہ بھی کم اہم نہیں۔ آج کل بڑی بڑی ضخیم کتابیں شایع ہو رہی ہیں مگر اس ضخامت سے کوئی فائدہ نہیں جب تک ان کے پڑھنے والوں کے لئے اس میں سہولت فراہم نہ کی جائے۔ ایک محقق کے لئے یہ کام بڑا دشوار ہے کہ وہ اس کی ورق گردانی کئے جائے۔ اور باوجود تلاش بسیار کے اس کے کام کی کوئی چیز اس کو نہ ملے۔

اس لئے ان تمام دشواریوں کو مدنظر رکھتے ہوئے ایک اچھے مصنف کا فرض ہے کہ وہ جہاں کتاب لکھنے میں اتنی محنت کرے وہاں اپنی کتاب کے آخر میں چند صفحوں کا اشاریہ بھی شامل کرے جس سے اس کی کتاب کی افادیت میں اور اضافہ ہو تاکہ اردو کی کتابیں بھی دوسری زبانوں کے ہم پلہ کہلا سکیں۔

غالب صدی تقریبات کے لئے مرکزی غالب کمیٹی کا پروگرام

اسد اللہ خاں غالب کا فروری ۱۸۶۹ء کو انتقال ہوا۔ وہ اس سے پہلے دنیا کے زندہ جاوید شاعروں کی صف اول میں اپنی جگہ محفوظ کر چکا تھا۔ اس میں شبہ نہیں کہ اپنی زندگی میں اسے کوئی خاص ہر دلعزیزی اور شہرت حاصل نہیں ہوئی۔ لیکن جوں جوں زمانہ گزرتا گیا، لوگوں نے اس کا صحیح مرتبہ پہچانا۔ پھر اسے ہر دلعزیزی بھی حاصل ہوئی اور شہرت بھی اور دونوں بجد وافر آج یہ حالت ہے کہ وہی غالب جو مقروض اور مفلس مرا تھا اس کے دیوان کے ڈیڑھ ڈیڑھ سو روپے کے مکلف نسخے ہاتھوں ہاتھ نکل گئے۔ مصنفوں نے اس سے متعلق بیسیوں کتابیں اور سیکڑوں مقالے لکھے ہیں اس کی غزلیں فلموں اور گراموفون ریکارڈوں میں محفوظ کی گئی ہیں اور آئے دن ٹیلی ویژن اور ریڈیو پر گائی جاتی ہیں، اصحاب دل اور شعرا اور سیاست داں۔ غرض ہر طبقے کے لوگ اس کے اشعار پڑھتے ہیں۔ اس کی کتابوں کے خطی نسخے ہزاروں میں بکتے ہیں اور اس کی چھوٹی سے چھوٹی ذاتی چیز کی کسی بیش بہا خزانے سے کم قدر نہیں کی جاتی۔

آئندہ سال فروری میں غالب کی وفات کو سو سال پورے ہو جائیں گے۔ جن علاقوں میں اردو ہندی کا چلن ہے وہ وہاں کی زبان اور تہذیب کا جزولاینفک بن چکا ہے۔ لہٰذا یہ ان سب کا فرض کہ وہ اس موقع پر اپنا خراج عقیدت پورے جوش و خروش سے اس کی بارگاہ میں پیش کریں۔

آل انڈیا غالب صد سالہ یادگار کمیٹی کے سامنے اس موقع کے لئے مندرجہ ذیل پروگرام ہے۔

(۱) غالب کی تمام تصنیفات (اور بعض متعلقہ کتابوں) کا ایک مصدقہ ایڈیشن حسن اہتمام سے شایع کرنا۔

(۲) حکومت ہند کی وزارت معلومات عامہ (انفارمیشن اور براڈکاسٹنگ) کے تعاون سے غالب کی زندگی سے متعلق سیاہ و سپید رنگوں میں ایک مختصر معلوماتی فلم بنانا۔

(۳) نئی دہلی میں تین دن کے لئے ایک بین الاقوامی سیمنار کا قیام۔ اس میں شرکت کے لئے ہندوستان اور دوسرے ممالک کے ۸۰ اصحاب علم کو دعوت دی جا رہی ہے۔

(۴) دلی اور بمبئی میں ایک نمائش کا انعقاد۔

(اس نمائش میں غالب کی تصویریں، خطوط، تصنیفات کے قلمی نسخے، مطبوعات کی طبع اول اس کے عہد کے نقاش و زاور روزمرہ کی استعمال کی چیزیں اور تقریباً ۸۰ تصویریں دکھائی جائیں گی۔

(۵) ڈیڑھ سو نمائندہ تصویروں کے پانچ سٹ تیار کئے جائیں گے، جو ہندوستانی اور بیرونی ممالک میں گشتی نمائش

کی شکل میں استعمال ہوں گے۔

(۶) ملک کے بعض ممتاز مصوروں سے درخواست کی جائے گی کہ وہ غالب کی تصویر تیار کریں یا اس کے بعض شعروں کو تصویر کے قالب میں ڈھالیں۔ بعد امکان انھیں کتابی شکل میں شائع کیا جائے گا۔

(۷) پوسٹ کارڈ سائز کی تصویروں کا ایک سٹ جس میں غالب کی اپنی تصویریں اور اس سے متعلق دلچسپ مواد ہوگا۔

(۸) غالب کی لال قلعے کی تصویر کی اس کے اصلی رنگوں میں عام اشاعت۔

(۹) غالب میموریل کی تعمیر

(اس میں کتب خانہ اور عجائب گھر (میوزیم) اور ہال ہوں گے، یہاں بیٹھ کر اصحاب علم حضرات غالب اور اس کے عہد سے متعلق تحقیق و تصنیف کا کام کرسکیں گے۔

دلی ایڈمنسٹریشن نے اس میموریل کے لئے ماتا سندری مارگ پر تقریباً سوا ایکڑ زمین کا ٹکڑا عطا کیا ہے۔ اس عمارت کا سنگ بنیاد راشٹرپتی ڈاکٹر ذاکر حسین نے گذشتہ فروری میں رکھا تھا۔ بعض ماہرین اس عمارت کا نقشہ بنا رہے ہیں۔ ایک خاص کمیٹی ان میں سے بہترین نقشے کا انتخاب کرے گی، عمارت اس کے مطابق تعمیر ہوگی۔

(۱۰) دلی وہ شہر ہے جہاں غالب کی زندگی کا بیشتر زمانہ بسر ہوا وہ یہیں جوان ہوا، شاعر کی حیثیت سے اس نے یہیں شہرت پائی، مرنے کے بعد وہ یہیں کی خاک میں دفن ہوا اس لئے یہاں ہفتے بھر کی تقریبات کا پروگرام بنایا گیا ہے متعدد اداروں نے اس میں ہمارا ہاتھ بٹانے پر آمادگی کا اظہار کیا ہے۔ اس کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

۱۵ فروری، غالب کے مزار کی گلپوشی، فاتحہ خوانی، قوالی اور مشاعرہ۔

۱۶ فروری صبح، راشٹرپتی ڈاکٹر ذاکر حسین تقریبات کا آغاز اور ڈاکیومنٹری فلم کا افتتاح فرمائیں گے۔

مختلف کمیٹیوں کی طرف سے پہلے نمائش کا افتتاح اور خاص ڈاک ٹکٹ کا اجرا وزیر اعظم شریمتی اندرا گاندھی فرمائیں گی۔

۱۷ فروری، بین الاقوامی سیمنار کا افتتاح، نیا تھیٹر کی طرف سے ڈراما۔

۱۸ فروری، بین الاقوامی سیمنار کا دوسرا دن، نیا تھیٹر کی طرف سے ڈراما (دوسری مرتبہ)

۱۹ فروری، بین الاقوامی سیمنار کا تیسرا دن، تمثیلی مشاعرہ (لال قلعے میں)

۲۰ فروری، غالب کی زندگی سے متعلق اوپیرا دلی آرٹ تھیٹر کی طرف سے غالب کی غزلیات، سنگیت ناٹک اکاڈیمی کی طرف سے۔

۲۱ فروری، غالب کی زندگی سے متعلق اوپیرا (دوسری مرتبہ) مشاعرہ لال قلعے میں۔ شری رام فاؤنڈیشن کی طرف سے۔

ہندوستان کے کئی شہروں اور بعض دوسرے ملکوں میں بھی مقامی کمیٹیاں بن چکی ہیں جو اس تقریب کو بڑے پیمانے پر منانے کی تیاری کر رہی ہیں وہ چاہتی ہیں کہ غالب کی بعض کتابیں ان کی نگرانی میں چھاپی جائیں وہ اس موقع پر مشاعرے، سیمنار، ڈرامے، نمائشوں وغیرہ کا انتظام بھی کر رہی ہیں۔

کمیٹی تمام ادب العالیہ کے دلدادگان سے پرزور اپیل کرتی ہے کہ وہ غالب کی سو سالہ برسی کی تقریبات کی کامیابی اور اسے اس کے شایان شان منانے میں ہماری مدد کریں اور غالب میموریل کی تعمیر کے کام میں اپنا پورا تعاون دیں، تاکہ یہ تحقیق و تصنیف کا مرکز بن سکے، جہاں اصحاب قلم غالب کی زندگی اور اس کے فکر و فن کے جائزے اور اس کے حقیقی مقام کے تعین سے متعلق کام کرسکیں۔

عطیات بھیجنے کا پتہ:۔ خازن، آل انڈیا غالب سنٹینری کمیٹی ۹ ڈاکٹر راجندر پرشاد روڈ نئی دہلی۔۱

کتابیں ملیں

(تبصرے کے لئے ہر کتاب کی دو جلدیں آنا ضروری ہیں)

رنگ زار

مرتبہ ریحانی، ریورنڈ ہیئس

ملنے کا پتہ:۔ ادارہ زندگی کانور، پوسٹ بکس ۲۳۲۔ عابد روڈ حیدرآباد اے۔ پی۔ صفحات ۲۰۰

ظفرنامہ

مصنف:۔ سردار گوردیال سنگھ بھولا

ملنے کا پتہ:۔ کتب خانہ انجمن ترقی اردو، اردو بازار جامع مسجد دہلی

صفحات:۔ ۱۱۲ قیمت:۔ تین روپے

نوائے ازل:۔

مرتب:۔ ریحانی، ریورنڈ ہیئس

ملنے کا پتہ:۔ ادارہ زندگی کانور پوسٹ بکس ۲۳۲ حیدرآباد (اے۔پی)

صفحات:۔ ۴۰ قیمت:۔ پچاس پیسے

ادب اور تنقید

مصنف:۔ پروفیسر اسلوب احمد انصاری

ناشر:۔ سنگم پبلشرز ۹ بلوا گھاٹ روڈ۔ الہ آباد ۳

صفحات:۔ ۲۴۸ قیمت:۔ آٹھ روپے

مراسلات

فارسی میں ڈی لٹ

تہران یونیورسٹی ایران میں غیر ملکی طلبہ کو ایک کورس پڑھایا جاتا ہے جس میں داخلے کے شرائط حسب ذیل ہیں۔

ا۔ یہ کورس صرف غیر ملکی طلبہ کے لئے ہوگا۔

ب۔ ہر غیر ملکی خواہ وہ فارسی جانتا ہو یا نہ جانتا ہو، اس کورس میں داخلہ لے سکتا ہے۔

ج۔ پہلے سال میں اوستا کی زبان اور پہلوی پڑھائی جائے گی اور دوسرے سال میں فارسی ادب کی تاریخ پڑھائی جائے گی اور طلبہ کو ایک مقالہ لکھنا پڑے گا۔

د۔ ایک سال پڑھنے والوں کو سرٹیفکٹ دیا جائے گا اور دو سال پڑھنے والوں کو "دکترا ادبیات فارسی (خارجی)" کی سند دی جائے گی۔

جیسا کہ داخلے کی شرائط اور کورس اور سند کے الفاظ سے ظاہر ہے یہ کوئی تحقیقی ڈگری نہیں۔ دوسرے سال کی مقالے کی نوعیت اس مقالے کی سی ہے جو ہندوستانی یونیورسٹیوں میں ایم۔اے کے ایک یا دو پرچوں کے بجائے لکھا جاتا ہے لیکن ایران سے دو سال کا کورس کر کے آنے والے کچھ اساتذہ اسے ڈی لٹ (یعنی تحقیق کی اعلیٰ ترین ڈگری) بتاتے ہیں۔ میرے خیال میں تو یہ ہندوستانی یونیورسٹیوں کی سچی تحقیقی ڈگری یعنی پی۔ایچ۔ڈی کے برابر بھی نہیں۔ کیا کوئی "دانائے راز" اس پر مزید روشنی ڈال سکتا ہے۔

(ڈاکٹر شاہپور پارکھر ایم۔اے۔پی۔ایچ۔ڈی۔ بمبئی)

استفسار

قارئین ہماری زبان سے درخواست ہے کہ مندرجہ ذیل سوالات کا جواب ہماری زبان کے ذریعہ دیں۔

(۱) "کاٹو تو لہو نہیں بدن میں" اس محاورہ کا صحیح محل استعمال کیا ہے؟

(۲) "درانا" اور "درانہ" میں سے کون سا صحیح ہے؟

(۳) کیا کسی محاورہ کو عبارت کے سیاق و سباق پر نہیں پرکھا جا سکتا؟

(۴) "در اندن" کیا فارسی زبان کا کوئی مصدر ہے اور کس لغت میں درج ہے؟

(۵) "اگر کاردش می زدند" کا صحیح ترجمہ کیا ہے؟

(۶) اردو فارسی کی مستند ڈکشنریاں کون کون سی ہیں؟

(مرتضیٰ علی)

کوکن والوں کے نام

(ایک اپیل)

ہم اردو کے پرستار ہیں۔ ہم اردو پر ناز کرتے ہیں۔ ہم اپنی اس پیاری زبان کی ہمیشہ خدمت کرتے آئے ہیں۔ ہماری سرزمین نے اس زبان کے بے شمار شاعر، ادیب، صحافی اور اساتذہ پیدا کئے ہیں۔ ہم نے اپنے خطے میں اردو کے متعدد تعلیمی ادارے کھولے ہیں اور انھیں کامیابی کے ساتھ چلا رہے ہیں۔ ہم اردو لکھتے ہیں، اردو پڑھتے ہیں، اردو بولتے ہیں، اردو سے ہمارا یہ تعلق ایک تاریخی حیثیت رکھتا ہے۔ مگر ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہئے کہ ہماری ذرا سی غفلت اور کوتاہی سے ہماری اس اردو پرستی پر حرف آسکتا ہے۔ ہم میں سے تقریباً ہر فرد جانتا ہے کہ نئی دلی میں "اردو گھر" بن رہا ہے جس کا سنگ بنیاد رکھا جا چکا ہے اور جس کی تعمیر کے لئے ایک "فنڈ" قائم کیا گیا ہے۔ اگر ہم ایمانداری کے ساتھ اپنا جائزہ لیں تو ہمیں اندازہ ہو سکتا ہے کہ ہم نے اس "اردو گھر" کے سلسلے میں اپنے فرض کو کہاں تک سمجھا اور پورا کیا ہے۔ اگر ہم نے اب تک اپنی عظیم زبان کے نام پر بننے والی عمارت کے لئے ایک اینٹ کی قیمت بھی نہیں بھیجی ہے تو یہ ہماری کوتاہی ہے۔

بہر حال اب بھی وقت ہے کہ ہم اپنا فرض ادا کرنے کے لئے آگے بڑھیں تاکہ بعد میں ہمیں اپنے آپ سے شرمندہ نہ ہونا پڑے۔ "اردو گھر" کو ہماری کسی ایسی قربانی کی ضرورت نہیں ہے جو ہمیں بار محسوس ہو۔ ہم میں سے ہر فرد کا صرف ایک روپیہ بھی ہمیں "اردو گھر" کے معماروں کی فہرست میں شامل کرنے کے لئے کافی ہو سکتا ہے۔ آئیے ہم اسی وقت اپنا فرض پورا کردیں۔ ہم "اردو گھر" کے لئے اپنا چندہ اور اپنا عطیہ انفرادی یا اجتماعی طور پر منی آرڈر کے ذریعہ براہ راست جنرل سکریٹری انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ (یو۔پی) کے نام بھیج سکتے ہیں۔

میری دلی تمنا ہے کہ "اردو گھر" کی سب سے زیادہ اینٹوں پر ہمارے کوکن والوں کے نام لکھے جائیں کیا آپ یہ نہیں چاہتے!

بدیع الزماں خاور

اردو اور علاقائی زبانوں کے بولنے والوں کی تعداد بڑھ گئی

دہلی۔ ہندی کا دائرہ اثر کم ہو رہا ہے یہ اطلاع دہلی میں اقتصادی ترقی کے ادارہ کے پروفیسر اشیش بوس نے دی مردم شماری کے اعداد و شمار کا مطالعہ کرنے کے بعد انھوں نے پچھلے دنوں ایک سیمینار میں ایک مقالہ پڑھا۔ انھوں نے کہا کہ ۱۹۶۱ء میں مردم شماری کے مطابق ہندی بولنے والوں کی تجویز تیس فیصدی تھی ۱۹۷۱ء میں یہ تعداد کم ہو کر ۲۰ر۵ فیصدی رہ گئی۔ بہار جو کہ ٹیکنیکل اعتبار سے ہندی کہلاتا ہے سب سے برا ثابت ہوا۔ یہاں دس سال کے عرصہ میں ہندی بولنے والوں کی تعداد ۸۱ فیصدی سے گھٹ کر ۴۴ر۴۴ فیصدی رہ گئی۔ یہ بات کافی اہم ہے کہ اترپردیش کے شہری علاقوں میں ۱۹۵۱ء میں سات لاکھ سے زائد افراد نے اپنی مادری زبان ہندوستانی لکھائی۔ لیکن ۱۹۶۱ء میں کسی ایک نے بھی اپنی زبان ہندوستانی نہیں لکھوائی پھر ریاست میں اس سال کے عرصہ میں ہندی بولنے والوں کی تعداد میں ۲۳ فی صدی اضافہ ہوا ہے لیکن اردو بولنے والوں کی تعداد میں ۴۲ فیصدی اضافہ ہوا۔ ہندی بولنے والوں کی تعداد میں کمی کی ایک بڑی وجہ یہ تھی کہ ۱۹۶۱ء میں زبان کے معاملے میں رجحان کٹر پن کا تھا۔ اس کی مثال بہار میں سب سے اچھی ملتی ہے کہ جہاں ۱۹۶۱ء میں بھوجپوری بولنے والوں کی تعداد محض ۲ر۹ تھی لیکن ۱۹۷۱ء میں یہ تعداد بڑھ کر ۸۰۳۳۲۲ ہو گئی۔ اسی طرح کا اضافہ سنگھی اور میتھلی زبانوں کے معاملہ میں ہوا۔ پروفیسر بوس نے لکھا ہے کہ ہندی زبان کو سب سے بڑا خطرہ مقامی بولیوں سے ہے انھوں نے لکھا ہے کہ ۱۹۷۱ء میں جو رجحان رہا اگر وہ جاری رہا تو مستقبل میں ہندی کے امکانات محدود ہو جائیں گے۔ (راجیہ)

انجمن ترقی اردو آندھرا پردیش کے کارکنوں کا اجتماع

حیدرآباد۔ انجمن ترقی اردو آندھرا پردیش کی اضلاعی شاخوں کے صدور معتمدین اور دوسرے کارکنوں و ہمدردان اردو کا سالانہ اجتماع اس سال ۲۸ر اور ۲۹ر دسمبر ۱۹۷۸ء کو حیدرآباد میں بلایا گیا ہے پہلے روز یعنی ۲۸ر دسمبر کو انجمن کی شاخوں کے صدور، نائب صدور اور معتمدین کا خصوصی اجلاس ہوگا جس میں زیادہ تر انجمن کے تنظیمی مسائل پر غور کیا جائے گا اور دوسرے دن یعنی ۲۹ر دسمبر کے اجلاس میں شاخوں کے عہدہ داروں کے علاوہ شہر حیدرآباد اور اضلاع سے آنے والے ہمدردان و کارکنان اردو بھی شرکت کریں گے اور آندھرا پردیش میں اردو کے مسائل پر سوچ بچار کیا جائے گا۔ یہ اجتماع خاص اہمیت کا حامل ہوگا کیونکہ ایک تو حکومت آندھرا پردیش نے اگلے تعلیمی سال سے کالجوں میں انگریزی کی جگہ تلگو کو ذریعہ تعلیم بنانے کا فیصلہ کیا ہے جس سے اردو بولنے والے طلبہ کا متاثر ہونا لازمی ہے دوسرے یہ کہ آندھرا پردیش اسمبلی نے سہ لسانی فارمولے کے بارے میں جو قرارداد منظور کی ہے اس کی وجہ سے اردو بولنے والے طلبہ پر چار زبانوں کا بوجھ پڑ جاتا ہے یا پھر تلگو زبان سیکھنے سے محروم ہو جاتے ہیں جو ان کے لئے سراسر نامناسب بلکہ ضرررساں ہے تیسرے اردو کے بارے میں حکومت کی معلنہ پالیسی پر عمل نہ ہونے کے باعث کئی اور مسائل جوں کے توں قائم ہیں مثلاً اردو جماعتوں کا قیام، اساتذہ کی فراہمی، نصابی کتب کی تیاری اور دستیابی نیز ضلع پریشد اور پنچایت سمیتوں کے تحت چلنے والے مدارس میں اردو کی متوازی جماعتوں کے لئے

جگہ کی خرابی اور طلبہ کا ازدحام، نظم و نسق کے مختلف شعبوں اور عدالتوں میں اردو کی حیثیت کا تعین وغیرہ۔ انجمن ترقی اردو نے ان تمام مسائل کے متعلق حکومت کی پالیسی کی وضاحت چاہی تھی اور اس تعلق سے ایک یادداشت بھی چیف منسٹر کو پیش کی گئی تھی چیف منسٹر نے وعدہ کیا تھا کہ وہ انجمن کے مشورے سے اس بارے میں مناسب اقدام کریں گے تاکہ اردو کو اس کا جائز مقام مل سکے لیکن اس سلسلے میں اب تک کوئی پیش رفت نہیں ہوئی ہے اور حکومت باوجود یاددہانیوں کے خاموش ہے اس اجتماع میں ان تمام مسائل پر غور کیا جاکر مناسب لائحہ عمل مرتب کیا جائے گا تاکہ اس کی روشنی میں کوئی موثر قدم اٹھایا جاسکے۔ میں انجمن کی شاخوں کے عہدے داروں اور اردو کے دوسرے ہمدردوں اور کارکنوں سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ اس اجتماع میں شریک ہوکر ہماری ہمت بڑھائیں اور اردو کی بقاء و تحفظ کے لئے جو جدوجہد جاری ہے اسے تقویت پہنچائیں۔

(سرینواس لاہوٹی)

انجمن ترقی اردو بنگال کا میمورنڈم

کلکتہ: انجمن ترقی اردو مغربی بنگال کی طرف سے بتایا گیا ہے کہ ایسٹرن ریلوے ہائر سکنڈری ملٹی پرپز اسکول آسنسول سے اردو کو ختم کرنے کی جو منظم کوششیں ہو رہی ہیں انجمن ترقی اردو ہند مغربی بنگال روز اول ہی سے اس کا جائزہ لے رہی ہے اور مسلسل اس کے خلاف آواز بلند کر رہی ہے۔ ریلوے حکام کی طرف سے جب مذکورہ بالا اسکول کے پرنسپل کے پاس اسکول سے اردو کے اخراج کا باضابطہ حکم نامہ آگیا اور انجمن کو اس کی اطلاع موصول ہوئی تو فوراً ایسٹرن ریلوے کے چیف پرسنل آفیسر کو ایک میمورنڈم بھیجا گیا کہ اس اسکول میں مدت دراز سے اردو کی تعلیم تھی اس کو ختم کرنا نہ صرف عوام کے جمہوری حقوق کے ساتھ سراسر ناانصافی ہے بلکہ قومی یکجہتی اور بنگلہ اور اردو کی دیرینہ وابستگی کے لئے نقصان کا باعث بھی ہے۔ اس کی نقلیں وزیر اعظم ہند، وزیر ریلوے گورنر مغربی بنگال، چیرمین ریلوے بورڈ، جنرل منیجر ایسٹرن ریلوے، جناب ہمایوں کبیر ایم۔پی، شری اشوک سین ایم۔پی، جناب سرین مکھرجی ایم۔پی، جناب اندرجیت گپتا ایم۔پی اور جناب سید بدرالدجیٰ ایم۔پی کو بھی بھیجی گئیں۔ پرسنل آفیسر سے یہ بھی درخواست کی گئی کہ انجمن کے ایک وفد کو ملاقات کا موقع دیا جائے تاکہ ساری باتیں تفصیل سے پیش کی جاسکیں۔ چیف پرسنل آفیسر کا جواب آگیا ہے انھوں نے اس مسئلہ پر مناسب توجہ دینے کا وعدہ کیا ہے۔ پروفیسر ہمایوں کبیر صاحب ایم پی نے اپنے جواب میں لکھا ہے کہ میں نے ریلوے کے ریاستی وزیر جناب پریل گوش سے اس بارے میں بات کی ہے اور مجھے یہ اطلاع دیتے ہوئے مسرت ہوتی ہے کہ اصولی طور سے انھوں نے اردو کے مطالبے کو مان لیا ہے۔ صدر انجمن جناب سید بدرالدجیٰ صاحب ایم۔پی نے بھی اس سلسلے میں وزیر ریلوے سے گفتگو کی ہے اور ان سے بھی وزیر موصوف نے ہمدردانہ کارروائی کا وعدہ کیا ہے۔ جہاں تک ممکن ہے انجمن اس سلسلے میں کوشش کر رہی ہے اور آئندہ بھی کوشش کرتی رہے گی لیکن ضرورت اس کی ہے کہ اردو کے دوسرے ادارے بھی اپنے طور پر دباؤ ڈالیں کیونکہ جمہوری حکومت میں عوام کی آواز میں بڑی طاقت ہوتی ہے۔ انجمن نے اپنی شاخ آسنسول کو یہ ہدایت بھی کر دی ہے کہ نئے سال میں مزید داخلے کے لئے اسکول میں درخواستیں دی جائیں اور موجودہ طلبہ کو ٹرانسفر ٹکٹ لینے نہ دیا جائے تمام اردو دوستوں کو اس جانب توجہ دینی چاہئے۔

میدک ضلع پریشد کی اردو دشمنی

جوگی پیٹھ:- ضلع پریشد ضلع میدک حکومت کی اردو پالیسی کے خلاف کام کر رہا ہے۔ جوگی پیٹھ میں اردو جماعتوں کو نقصان پہنچانے کے لئے ضلع پریشد کی طرف سے اردو داں مدرسین کا تبادلہ کر کے تلگو داں ٹیچر کو بھیجا جا رہا ہے۔ اس خصوص میں جناب محمد سردار جمیل معتمد انجمن ترقی اردو شاخ جوگی پیٹھ نے ناظم و نائب ناظم تعلیمات ضلع میدک، معتمد ضلع پریشد اور ضلع کلکٹر کو یادداشت روانہ کرتے ہوئے ضلع پریشد کی تنگ نظری کے خلاف سخت احتجاج کیا ہے اور مطالبہ کیا ہے کہ فوراً اس بدنظمی کو دور کرنے کی طرف توجہ دیں یا حکومت انتظامات فوری اپنے ہاتھ میں لے لے طلبہ اور اولیائے طلبہ میں ضلع پریشد کے ان کاموں کی بناء پر تشویش پھیلی ہوئی ہے۔

(رہنمائے دکن)

ڈاکٹر وارث کرمانی

رفتار

نوٹ: پہلی قسط کے لئے ہماری زبان ۲۲ر نومبر میں رفتار کا کالم دیکھئے۔

(۲)

جدید شاعری کے خلاف جو تعصب پیدا ہو گیا ہے اس کی ذمہ داری کسی حد تک اس لیبل کے تحت چھپنے والے مواد پر ہے اور اگرچہ اس کے معترضین بنیادی نظریات میں صحیح نہیں ہیں پھر بھی فروعی اور خارجی سطح پر ان کے اعتراضات بالکل حق بجانب ہوتے ہیں جس کی مدافعت پر کسی خاص ادبی گروہ میں تو اتفاق ہو سکتا ہے لیکن عام پڑھے لکھے لوگ اس مدافعت کو قبول نہیں کر پاتے۔ بہ ہیئت کثیف اور بے ہنر قسم کے اشعار کی کتنی ہی مدافعت اور وکالت کیوں نہ کی جائے انھیں اچھے ادب میں جگہ نہیں مل سکتی بلکہ اس سے کم سن لکھنے والوں کے گمراہ ہونے کا خطرہ رہتا ہے۔ چونکہ ان میں معیاری اور کلاسیکی ادب کے مطالعہ کی کمی ہوتی ہے اور وہ شاعری کے عظیم اور لازوال عناصر سے ناواقف ہوتے ہیں اس لئے رسالوں میں چھپنے والے ادب کو اپنا نصب العین بنا لیتے ہیں اور عزیمہ سرائی میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ عنفوان شباب میں کبھی کبھی تھوڑی بہت اپج ہوتی ہے جس کے اثر سے شعروں میں ایک بات بھی پیدا ہو جاتی ہے اس کے زعم میں آکر یہ نو آموز شاعر مستند استادوں اور نقادوں پر پھبتیاں کسنے لگتے ہیں۔ ایسے اشعار پر اعتراض کسی بھی حلقہ سے ہو قابل تسلیم ہے اس سے جدید شاعری کو کسی نقصان کا اندیشہ نہیں اس لئے کہ ہر زمانے میں اچھے شاعر کم ہوا کرتے ہیں لیکن ان کے ساتھ اپنی زندگی میں مر جانے والے شاعروں کی تعداد بہت زیادہ ہوتی ہے جدید رجحان میں بھی باقی رہنے والے شاعر صرف دس بارہ　فیصدی ہوں گے باقی خس و خاشاک کی حیثیت رکھتے ہیں اگر ان کی صفائی ہو جائے تو اس پر ماتم کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ البتہ ایک تشویش ناک کمی یہ ہے کہ جدید طرز کے اچھے لکھنے والوں کے یہاں اعلیٰ درجے کی نظموں اور غزلوں کے دوش بدوش نہایت اسفل و مہمل چیزیں نظر آتی ہیں مثال کے لئے ظفر اقبال کی غزلیں دیکھی جا سکتی ہیں جو ۱۸ نومبر کے سنڈے میں آئی ہیں کچھ شعر نمونے کے طور پر یہاں دئے جاتے ہیں ۔

رنگت ہی بدل گئی بدن کی　　جب سانپ نے پہلی بار ڈستا
چکی رہتی ہے چھیڑیے تو　　آتی نہیں اس کو غصہ غصہ
ڈھیلے ہیں پڑے ہوئے میاں تو　　بیگم کا ابھی رہا ہے ٹھٹا
پانی اتنا لگا کے اس نے　　لسی کا بنا دیا ہے لستا

شعر کے نام سے یہ ہذیان جس شخص کے قلم سے برآمد ہوا ہے اسی نے اسی غزل کو ایسے درخشاں اشعار بھی دئے ہیں۔

سو ہوئی تو بہت دور تک دکھائی دیا　　خود بہ خود ہوتی ہوئی بات کا کنارہ مجھے
یہ سفر وہ ہے کہ آنا بھی غنیمت ہے اگر　　اپنے ہجرہ میں خاک رواں رہ جائے
آجکل اس کی طرح ہم بھی ہیں خالی خالی　　ایک دو دن اسے کیو کہ یہاں رہ جائے
یہ بھی اک مرحلۂ سخت ہے اے صاحب طرز　　کہ بیاں کی جگہ انداز بیاں رہ جائے
ابھی تو دھوپ نے کہاں ہے کرنوں تک ہے بدن　　خمار آمد گل کی خبر میں آتا ہے
میں اس کا چور ہوں اور اس کے پیچھا پھرا ہوں　　خبر نہ تھی کہ مزا اس کے ڈھونڈنے میں آتا ہے

ظفر اقبال جہاں گہرے سوچ سے چونک کر RELAXATION کے موڈ میں شعر کہتے ہیں ان میں بھی تراشیدہ ہیرے کی جگمگاہٹ نظر آتی ہے۔

بے سمت کی اڑان ہے شوخی شباب کی　　اس چھت پہ آئی تو یہ کبوتر اتار دے
میں آشنا معاش نہیں ہیں کھل کے بیٹھ　　چبھنے لگی ہے دھوپ سویٹر اتار دے
دن رات ہوں خزاں کا گٹھڑ اٹھائے پھر　　یہ بوجھ اپنے سر سے جھٹک کر اتار دے
شاید اسی کی آب سے روشن ہو رنگ دل　　یہ تیغ میرے سینے کے اندر اتار دے
یہ بات شرافت کی نہیں ہے اور نہ شرافت　　چاہے تو اس کنوئیں میں ہی تختہ اتار دے
لوگوں کے ساتھ میری لڑائی ہے آجکل　　بہتر ہے مجھ کو شہر کے باہر اتار دے
تو خود تو سات پردوں میں مستور ہے ظفر　　ملبوس تیرے آگے وہ کیونکر اتار دے

ہمیں معلوم ہے بعض ثقہ حضرات کو یہ غزل پسند نہ آئے گی خاص طور سے سویٹر اور ملبوس اتارنے والی بات پر تو وہ ہرگز راضی نہ ہوں گے لیکن ہم ان کے اطمینان قلب کے لئے مصلح اعظم حضرت سعدی کے یہ حاشیٰ اشعار درج کئے دے رہے ہیں۔

بیار خلاف وعدہ کردی　　آخر بغلط بگی وفا کن
برخیز و در سراے بربند　　بنشیں و قباے بستہ وا کن

اس غزل کی دوسری "ناگوار ہونے والی بات" اس کا طرز بیان ہے جو شعریت اور کلاسیکیت کو اپنے "سر سے جھٹک کر" اتارنا چاہتا ہے اور عظیم موضوعات کی نفی کرتا ہوا بے تکلف گفتگو کا رنگ قائم کرتا ہے یہ تجربہ خطرناک ضرور ہوتا ہے کیونکہ اس میں اشعار کے بے کیف اور رکرے ہو جانے کا احتمال رہتا ہے لیکن ظفر اقبال نے اپنی ذہانت سے اس تجربے میں بھی چمک پیدا کر دی ہے بلکہ شروع کے دو شعروں کے بعد اس ہلکے پھلکے بے تکلف طرز بیان میں بصیرت کی ایک مدھم روشنی بھی پیدا ہو گئی ہے۔ غزل میں اس بے تعززی کا ایک خاص سبب یہ ہے کہ نیا شاعر بعض اوقات صدیوں کے طویل شعری ضبط و نظم کو عمداً بلکہ انتقاماً توڑنا چاہتا ہے اس لئے اس کا الٹا رخ اختیار کرتا ہے۔ آخر غالب نے بھی تو کہا تھا۔

سخن کوتہ مرا دل پہ تقوی نہیں بستا　　زنگ زہد افتادم بہ کار جوال ما

بعض اوقات غم و غصہ کی کیفیت یا احساس کی شدت اتنی زیادہ ہوتی ہے کہ شاعر کی کوشش کے باوجود ضبط و نظم میں نہیں آپاتی اور فن کا خوشگوار توازن جاتا رہتا ہے جو کلاسیکی ادب کے ساختہ پرداختہ کانوں پر بار ہوتا ہے۔ یہاں پھر جدید رجحان پر اعتراض کی گنجائش پیدا ہوتی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جدید شاعری کی جھنجلاہٹ یا تلبیت پچھلی شاعری کا ردعمل ہے۔ تخلیقی عمل اور ردعمل میں فرق ہوتا ہے۔ اول الذکر کے برعکس ردعمل میں شور و احتجاج و اشتداد کی کیفیت لازمی ہے جس

طرح ردعمل کا مثبت شکل میں بتدریج بدل جانا لازمی ہے اسی طرح یہ ہیجان و اضطراب بھی آہستہ آہستہ گہرے اور سنجیدہ تاثرات میں تحلیل ہوجائے گا اور نئی شاعری بھی ہماری روایت کا ایک حصہ بن جائے گی۔ ابھی یہ شاعری اگر روایت سے منحرف معلوم ہوتی ہے تو یہ تازگی فکر اور اجتہاد کی علامت ہے اسی لئے ہم اسے ماضی کی بازیافت کے مترادف تو کہہ سکتے ہیں ماضی کی طرف بازگشت نہیں کہہ سکتے۔ ماضی میں انشا و مصحفی کے شاعروں سے گہری وابستگی کے باوجود موجودہ رجحان کیوں جدید یا جدید تر کہلانے کا مستحق ہے اس کا جواز نئی شاعری کی صرف ایک صنف غزل کو سامنے رکھنے سے سمجھ میں آسکتا ہے۔ اردو غزل اپنے آغاز سے بیسویں صدی کے نصف تک معمولی ردوبدل کے علاوہ کسی خاص تغیر کی حامل نہیں معلوم ہوتی۔ فکری اعتبار سے غالب کی غزل قدرے بدلی ہوئی ضرور ہے لیکن جو لوگ مغل دور کی فارسی شاعری سے واقف ہیں انھیں اس تبدیلی کا بھی زیادہ احساس نہیں ہوتا کیونکہ غالب کی غزل کا اصل سرچشمہ وہی ہے۔ اسی کے تعلق کی بنا پر اردو کے مقبول عام طرز میں غزل کہنے والوں پر وہ اپنی برتری جتایا کرتے تھے۔ اگرچہ غالب کے معاصروں نے اسے کبھی تسلیم نہیں کیا بلکہ آج بھی بہت سے مستند ادیب اور نقاد جیسے نیاز فتحپوری اور اثر لکھنوی (مرحوم) مومن اور میر کو غزل کا صحیح نمونہ سمجھتے ہیں اس کا سبب یہی ہے کہ غالب عام شاعروں کے صراط مستقیم سے بار بار ہٹ جاتے تھے اور غزل کے ساتھ بیجا دست اندازی یا VENTURE کرتے تھے۔ دیکھنے کی بات یہ ہے کہ غالب کو جو عظمت و فوقیت آج ملی ہے وہ اسی بے راہ روی کی وجہ سے ہے۔ تاہم غالب بھی غزل کے مزاج میں بنیادی تغیر نہ پیدا کرسکے۔ انھوں نے اپنی غیر معمولی قوت سے الفاظ اور پیرایۂ بیان کو توڑا مروڑا تو بہت لیکن روایتی دلکشی کی گرفت سے آزاد نہ ہوسکے۔ شاعری میں اساسی تغیر کے لئے طرز فکر کے ساتھ وسائل اظہار یعنی استعارات اور علائم و رموز میں بھی تبدیلی کی ضرورت ہوتی ہے جو غالب کے عہد میں ممکن نہ تھی۔ اس میں غالب کا کوئی قصور نہیں۔ غالب کے بعد آنے والے غزل گو اجتہادی صلاحیت نہ رکھنے کی وجہ سے پرانی روش پر چلتے رہے۔ چند سال پہلے حسرت، فانی اور ان کے بعض معاصروں نے غزل کے سرمائے میں اچھا اضافہ کیا لیکن یہ لوگ بھی غزل کو نیا موڑ نہ دے سکے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ متاخرین کے اس آخری گروہ کی غزل بھی متقدمین کے پہلے گروہ کی غزل سے بنیادی طور سے مختلف نہیں۔ اس سے فراق مستثنیٰ ہیں کیونکہ ان کے یہاں جدید غزل کی واضح پیش گوئی ملتی ہے۔ اس پس منظر میں جب ہم آج کی غزل کو دیکھتے ہیں تو اس کی ماہیت یکسر بدلی نظر آتی ہے اور اس کے طرز احساس اور انداز بیان دونوں میں ایسا ذائقہ ملتا ہے جو دو ڈھائی سو برس کی غزل کی تاریخ میں کہیں موجود نہیں۔ قارئین اس کی تصدیق نیچے دئے ہوئے شعروں سے کرسکتے ہیں جو سرسری طور سے لکھ لئے گئے ہیں اور بہت سے اچھے شاعر اس انتخاب میں آ بھی نہیں پائے ہیں۔

فراق

شام بھی تھی دھواں دھواں حسن بھی تھا اداس اداس
دل کو کئی کہانیاں یاد سی آکے رہ گئیں

احمد ندیم قاسمی

ابھی ابھی تمہیں سوچا تو کچھ نہ یاد آیا — ابھی ابھی تو ہم ایک دوسرے سے بچھڑے تھے
شب خموش کو تنہائی نے زبان دے دی — پہاڑ گونجتے تھے دشت سنسناتے تھے

ناصر کاظمی

کون اس راہ سے گزرتا ہے — دل یونہی انتظار کرتا ہے
دیکھ کر بھی نہ دیکھنے والے — دل تجھے دیکھ دیکھ ڈرتا ہے
دھیان کی سیڑھیوں پہ پچھلے پہر — کوئی چپکے سے پاؤں دھرتا ہے
دل تو میرا اداس ہے ناصر — شہر کیوں سائیں سائیں کرتا ہے

احمد فراز

اب کے ہم بچھڑے تو شاید کبھی خوابوں میں ملیں — جس طرح سوکھے ہوئے پھول کتابوں میں ملیں
ڈھونڈ اجڑے ہوئے لوگوں میں وفا کے موتی — یہ خزانے تجھے ممکن ہے خرابوں میں ملیں

شہزاد احمد

ذہن کے تاریک گوشوں سے اٹھی تھی اک صدا — میں نے پوچھا کون ہے اس نے کہا کوئی نہیں

شاذ تمکنت

ریزہ ریزہ ہوا جاتا ہے مرا سنگ وجود — یوں صدا دے نہ مجھے پردۂ انفاس سے

حامد حسن زیدی

تیز ہوا کی چاپ سے تیرہ بنوں میں ہوک اٹھی — روح تغیر جاں آگ سے خالی رہ گئی
ناقے ابھرے تار زخم خورد کا شکار — دشت میں زندگی کی راہ کہیں سال رہ گئی

منیر نیازی

وہ چمکتی برق کا دشت در و دیوار پر — سارے منظر ایک پل میں کے اجالوں میں گئے

شکیب جلالی

وہیں پہنچ کے گرائیں گے بادباں اب تو — وہ دور ایک جزیرہ دکھائی دیتا ہے
وقت کی ڈور خدا جانے کہاں سے ٹوٹے — کس گھڑی سر پہ لٹکتی ہوئی تلوار گرے

ان بدلے ہوئے لب و لہجے کے علاوہ جدید غزل کی ایک دوسری خصوصیت اس کا پھیلاؤ ہے جس کے اندر مابعد الطبیعیاتی تصورات اور لطیف و مبہم واردات سے لے کر بالکل واقعاتی مظاہر غیر شاعرانہ مضمونات آپس میں متصادم ہوکر ایک دوسرے کی نمائش اور اثر انگیزی میں اضافہ کررہے ہیں۔

اس کی تیسری خصوصیت انسان کی باطنی حیات سے مخاطبت ہے اس تخاطب میں کوئی ایسی آواز بھی پوشیدہ ہے جو مادی حقائق اور ان کے ریاضیاتی نظام کے اس پار سے آتی ہوئی معلوم ہوتی ہے اس کی آہٹ لینے کی کوشش کبھی کبھی غالب بھی کرتے تھے۔

ہے کہاں تمنا کا دوسرا قدم یارب — ہم نے دشت امکاں کو ایک نقش پا پایا

یہ غزل انسان کے بنائے ہوئے تمام فلسفوں کی خوش فہمیوں سے آگے نکل کر ایک بے کراں اور مسلسل خلائے بسیط سے انسان کو [illegible]

مالک انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ پرنٹر و پبلشر سید بنیاد علی نے لیتھو کلر پرنٹرس علی گڑھ میں چھپوا کر دفتر مرکزی انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ سے شائع کیا۔